مطبوعات

ادب القاضی مؤلف : جناب امام ابوبکر احمد بن الخصاف۔ شرح از برہان الائمہ حسام الدین عمر بن عبدالعزیز بن مازہ البخاری۔ اُردو ترجمہ: جناب سعید احمد، فیلو ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی۔ اسلام آباد۔ جلد اوّل کاغذ عمدہ، ٹائپ کی اچھی طباعت، سرورق دبیز، صفحات: ۲۷۲ قیمت: ۶۰/- روپے۔

ادب القاضی کے زیرِ عنوان جو مفید اور ضروری فاضلانہ بحثیں اور ان کی شرح ہے، اس میں بڑی وسعت و عمق ہے۔ میں پہلے مجملاً موضوع کا تصور دلانا چاہتا ہوں۔ دراصل ہمارے اسلامی نظامِ قانون کا یہ وہ اہم ترین شعبہ ہے کہ اس عدالتی طریق کارروائی (LAW PROCEDURE) کو متعین کرتا ہے۔ یعنی عدلیہ یا کورٹ کس طرح کام کرے اور قاضی (جج یا مجسٹریٹ) کن اُمور کی پابندی کرے۔

اپنے ابتدائی دَور میں نہ جانے کیا ضرورت مجھے پیش آئی کہ فقہ کی کسی بڑی کتاب میں میں نے اس باب کو نکالا اور پھر اس کا تفصیلی مطالعہ کرتے ہوئے حیران رہ گیا کہ ہمارے اسلاف نے کئی سو سال پہلے (کتاب زیرِ تبصرہ مصنّف کا سالِ وفات ۲۶۱ھ ہے) عدلیہ اور افسرانِ عدالت کے لیے ایسے اصول و حدود کتاب و سنّت کی بنیاد پر طے اور مدوّن کر دیئے تھے جو آج بھی ترقی یافتہ مغرب میں معمول بہا ہیں۔ آج ہم ان چیزوں کو مغرب میں دیکھتے ہیں تو مرعوب ہوتے ہیں، حالانکہ اگر خالی الذہن ہو کر صدیوں پہلے کے اپنے کام کو دیکھیں تو شاید اپنے آپ سے مرعوب ہو جائیں اور اپنے آپ پر محبّت آنے لگے۔

عدلیہ کا طریقِ کار اور عدالتی کارروائی اور ججوں کے اختیار اور ان کی عملی ذمہ داریوں ہی تک

موضوع محدود نہیں ہے، بلکہ اس دائرہ بحث میں منصبِ قضا کی حیثیت اور ذمہ داری، شہادت اور اس کے متعلق احکام، فریقینِ نزاعات کے ساتھ طریقِ معاملہ، قاضی کے اوصاف، افسرانِ عدلیہ کا تقرر یا معزولی اور کچھ دیگر امور بھی شامل ہیں۔

مندرجات میں منصبِ قضا کی اہمیت اور اُخروی جواب دہی کے لحاظ سے نزاکت اور پھر اس کے بعد عہدۂ قضا قبول کرنے والے لازمی شرائط و اوصاف کا بیان۔

ذرا انتباہ سُنیے: "جاہل آدمی جو جہالت کی بنیاد پر کوئی فیصلہ کرے ...... یا ..... جو عالم علم کے بغیر فیصلہ کرے تو وہ جہنم میں جائے گا" (ص: ۸۸) اس سلسلے کی بحث بڑی اہم ہے۔ پھر علمی طور پر قاضی میں مطلوبہ صفات کا ذکر ہے۔

نظامِ عدالت کے بارے میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کے نام حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اہم مراسلہ (ص ۱۱۴ تا ۱۲۵) یہ گویا کتاب کا مرکزی جوہر ہے جس میں کتاب و سنت اور اجماع کے تقاضوں سے ماخوذ اُصول جمع کر دیے گئے ہیں۔

پھر قضا و اجتہاد کے اُصولوں کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، قاضی شریحؒ کے ارشادات۔ پھر عدالتی ضروریات اور کارروائی کی تفصیلی اُمور پر گفتگو شروع ہو جاتی ہے۔ قاضیوں کی معزولی، جانے والوں سے چارج لینا، تبدیلیوں سے متعلق اُمور، امانات کے متعلق ہدایات، منقولہ و غیر منقولہ جائیداد اور عام سامان کے متعلق مسائل۔ علاوہ ازیں مزید بہت سی مفید اور ضروری بحثیں جو دس بابوں میں تقسیم ہیں۔

تمام اہلِ علم کے مطالعہ کے لیے موزوں ہے ہی، لیکن اس دور میں اسلام کے قانونی و عدالتی نظام پر لکھنے اور مناسب ادارے قائم ہوں تو ان میں کام کرنے کے لیے ایسی کتابیں بہت قابلِ قدر ہیں۔

۱۹۸۶ء کا اقبالیاتی ادب | از جناب ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی۔ ناشر: اقبال اکیڈمی پاکستان۔ دفتر فروختِ کتب ۱۱۶۔ میکلوڈ روڈ، لاہور۔ قیمت: ۴۵/ روپے

اِس موضوع پر ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے ایک مدت سے مسلسل ایسا سائنٹیفک مواد پیش کیا ہے کہ اب یہ موضوع اُن کے بے مقدر ہو گیا ہے۔ اس میدان میں انہوں نے بڑی محنت کی ہے اور

اپنے مطالعہ کو بہت وسیع رکھا ہے، نیز جن معاملات میں اختلافی بحثیں اُٹھیں، اُن کے بارے میں ضروری حد تک تحقیق کی ہے۔ اقبال کے متعلق لکھی جانے والی کتابوں کا تذکرہ کرتے ہوئے جہاں جہاں ضروری تھا انہوں نے کتابوں مندرجات اور اُن کی رُوحِ مقصد کو بھی سامنے لانے کی کوشش کی ہے اور لکھنے والوں کا ضروری تعارف بھی شامل کتاب ہے۔ اس طرح یہ بابت ۱۹۸۶ء کے اقبالیاتی ادب کا محض انڈکس نہیں ہے، بلکہ پورے ایک سال کے ادب کا جائزہ بھی پیش کرتی ہے۔ جیساکہ ٹائیٹل پر درج ہے — "ایک جائزہ"!

عروجِ اقبال | از پروفیسر ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی۔ ناشر: بزمِ اقبال، کلب روڈ، لاہور۔ بڑے سائز کے ۴۳۴ صفحات، سادہ خوب صورت مضبوط جلد و گرد پوش کے ساتھ۔ طباعت ٹائپ میں۔ قیمت: ۱۲۰/- روپے۔

صدیقی صاحب سے ابتدائی تعارف اسی دور میں ہوا جب وہ فسانۂ مبتلا کو ایڈٹ کر رہے تھے اس کے بعد ان کی سات آٹھ کتابوں (مندرجہ فلیپ کتاب ہذا) آچکیں۔ مگر ہماری دوستی ربط کا ایسا رشتہ تھی کہ وہ برسوں کی دوری کے ساتھ ساتھ طویل ہوتا گیا مگر ٹوٹا نہیں۔ یہ کتاب ہدیۂ برادرانہ کے طور پر آئی تو دلی ربط کے مرجھاتے ہوئے جذبے کا وہی حال ہوا جیسے سوکھے دھانوں میں پانی پڑ جائے۔

ڈاکٹر صاحب جیسے فاضل آدمی نے اپنے لیے اقبال کے متعلق ایک ایسا موضوع تلاش کیا ہے جو گویا ایک طرح کی صدائے احتجاج ہے ان سرسری موضوعات کے خلاف جن کے تحت دو چار شعر لکھ کر تحقیقی کتابیں تیار کر دی جاتی ہیں۔

اب مشکل یہ آپڑی کہ اس انسائیکلو پیڈیائی منصوبے کے کام کی پہلی جلد کا بھی چند سطروں میں کس طرح اور کیا تعارف کرایا جائے، سوائے اظہارِ عجز کے! — آخر یہ اظہارِ عجز بھی تو ایک تبصرہ ہے۔

میں تو اتنا ہی عرض کر سکتا ہوں کہ یہ عروجِ اقبال کس مقصد سے لکھی گئی۔ یہ اقبال کی شخصیت اور فکر و فن کے ارتقا کا دور بدور جائزہ پیش کرتی ہے۔ کچھ یوں سمجھیے جیسے کسی عمارت کی بنیاد سے لے کر آخر تک ایک ایک اینٹ کا جائزہ لیا جا رہا ہو کہ وہ کیسی ہے، کس مٹی سے بنی، کہاں سے آئی، کس نے اسے

بنایا؟ اور عمارت کو اس نے کیا دیا۔ یہ جاننا یا دوسروں کو بتانا آسان کام نہیں کہ کوئی شخصیت اپنے فکروفن کے ساتھ کیسے بنی۔ اس کے لیے ڈاکٹر افتخار صاحب نے مطالعے کے صحراؤں کی بہت خاک چھانی اور حقائق کے سمندروں کی غواصی کی۔ اقبال کی زندگی کا ایک ایک مرحلے میں جن اشخاص، واقعات اور اداروں سے واسطہ ہوا ان کا پورا جائزہ لے کر دکھایا ہے کہ ان کا کیا اور کتنا اثر ہے اقبال کے احساسات و اظہارات پر۔۔۰۰م سے زائد صفحات لکھ کر ابھی تو افتخار صدیقی صاحب نے ۱۹۰۸ء تک کا سفر طے کیا ہے۔ ابھی تو وادیٔ دورو دراز باقی ہے۔ اگلے حصۂ بحث کا نام شاید وہ "کمالِ اقبال" رکھنا چاہتے ہیں۔

اقبال کے ذوقِ حُسن یا جمال پسندی کے بارے میں یہ ایک اچھا نوٹ ہے کہ "اقبال کی فطرتِ سلیمہ کی خصوصیت یہ ہے کہ جمال پسند ہوتے ہوئے بھی انھوں نے جمال پرستی کو اپنا نصب العین نہیں بنایا۔ دوسرے یہ کہ اقبال جمالِ صورت سے صرف ذوقِ نظر کی حد تک متاثر ہوتے تھے۔ گویا وہ چشمِ ظاہر کے علاوہ دیدۂ باطن سے بھی شخصیت کو دیکھتے اور پرکھتے تھے...... ان کے جمالیاتی مشاہدوں میں قلب و نظر کی پاکیزگی کا عنصر ہمیشہ شامل رہتا" (ص: ۳۱۹) افتخار صاحب نے اس اجمال کو شواہد و دلائل سے خاصی تفصیل دی ہے۔

بحث کی اس اہمیت کے پیشِ نظر کہ بار بار اس پر کلام کیا جاتا ہے اور کچھ نتائج نکال کر اقبال پر چسپاں کیے جاتے ہیں۔ میری توجہ کتاب کی بحث " اقبال اور جستجوئے گل" پر جائے گی۔

اِس سلسلے میں افتخار صاحب کے اخذ کردہ اس نتیجے سے متفق ہوں کہ 'مانندِ سحر ان کی جوانی بے داغ رہی، اور ان کا دامن ہوا و ہوس کی آلودگیوں سے پاک رہا۔ نمائشِ جمال اور جنسی بے باکی کے سمندر میں کئی سال رہ کر اقبال نے اپنے دامن کو تر ہونے سے جس طرح بچایا ہے اس کی سی زریں مثالیں بہت کم ہیں۔ شعلوں کی طرح بھڑکتی جوانی اور تاروں کے جہان میں پرواز کرتی ذہانت کے ساتھ آزادی کی فضاؤں میں حُسن کے پیکروں سے میل جول اور پھر جسمانی سطح پر اپنا اس درجہ تحفظ کہ کوئی ثبوت آج تک کسی نوشتے میں بوس و کنار تک کا نہیں ہے۔ کس قدر حیرت ناک اور ہمت آفریں ہے۔ اقبال کی خودی اور خودداری جس پر عطیہ سر پیٹتی ہیں، اس کا کمال یہی تو ہے کہ اگر وہ روحِ ایمان رکھتی ہو تو پھر وہ گناہ کے بڑے بڑے مہیجات و محرکات کو شکست دے دیتی ہے۔

اس باب میں صدیقی صاحب عطیہ اور ایما اور اقبال کے قلبی احوال کو مع خارجی ماحول کے ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔ اِدھر اور اُدھر قلبی میلانات جو کچھ بھی رہے ہوں، آخری نتیجہ وہ ہے جو تاریخ کے اسٹیج پر نمایاں طور پر موجود ہے۔ میں تو کبھی کبھی یہ سوچتا ہوں کہ عطیہ یا ایما کی خواہشات اگر پوری ہو جاتیں تو نہ جانے اقبال کی زندگی میں کیا قضیے اُبھرتے جو انہیں اعلیٰ درجے کا شاعر اور مفکر نہ بننے دیتے، علاوہ ازیں کشش اور پھر یہی کہ ایک مستقل حاجز کا موجود ہونا فنی تخلیقات کے لیے جتنا زوردار محرک ہوتا ہے ج اس کے جو شاندار نتائج ہمارے سامنے ہیں، وہ شاید کسی دوسری صورت میں مہیا نہ ہوتے۔

افتخار صاحب نے جہاں ان کے نشو و ارتقاء کے اور اسباب جمع کیے ہیں وہاں ان کا متروک کلام بھی جمع کر کے اس سے بھی اہم نتائج نکالے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ ایسا بسیط کام جسے وہ "محیطِ اقبال" کا نام دینا چاہتے تھے، اب تک نہیں ہوا۔

یہ کتاب نہ صرف اقبالیاتی لٹریچر میں بلکہ اردو ادب میں قابلِ فخر اضافہ ہے۔ خدا کرے مؤلف اسے جلد تکمیل کر سکیں۔

ہاں ایک جگہ مقصد "لحمُکَ لحمی" کا شعری استعمال اقبال کے ہاں سے پیش کیا گیا ہے۔ اس جملے سے معنیِ شوا اخذ کیے تھے۔ حالانکہ یہ ہمارے ہاں کے محاورے کی طرح ہے کہ تمہارا خون اور میرا خون، تمہاری جان اور میری جان، تمہاری عزت اور میری عزت، تمہارا گوشت اور میرا گوشت ایک ہیں۔ یہ صرف انتہائی قرب و اعتماد کا اظہار ہوتا ہے۔ مگر صدیقی صاحب نے اس کے بارے میں کوئی بات نہیں چھیڑی۔ خاندانی تعلقات کو اکثر لوگ یوں بیان کرتے ہیں کہ ہمارا خون اور گوشت ایک ہے یا ہم ایک ہی گوشت اور خون سے بنے ہوئے ہیں۔

خوش نصیب ہی لوگ ہوں گے جو جرائم اور تفریحات اور ٹیلی وژن کے اس دور میں ایسی ٹھوس کاوش کو پڑھیں۔

خدارا اب ہم قارئین کو ٹائپ کی چھپائی سے نجات دلایئے اور کمپیوٹرائزڈ قسم کی نستعلیق خودکار طباعتی مشینوں سے اچھی کتابیں سجا سنوار کر دیجیے۔

سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک ، از محمد کلیم ارائیں ۔ ناشر: مکتبۂ تعمیرِ انسانیت، لاہور۔ ۴ سو سے زیادہ صفحات، مضبوط جلد اور رنگین گرد پوش کے ساتھ۔

اِس کتاب کے نوجوان مؤلف ذوقِ تحقیق کے ساتھ عشقِ رسالتؐ بھی رکھتے ہیں۔ اِس سے پہلے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک راتوں پر ایک اچھی کتاب لکھ چکے ہیں جس کے ذریعے نہ صرف حالتِ قیام کی بلکہ حالتِ سفر اور حالتِ جنگ اور ہجرت اور بیعتِ عقبا اور دوسرے تاریخی مواقع کی راتوں کا ریکارڈ محفوظ کیا گیا ہے۔

اب حضورؐ پاک کے مبارک سفروں کا ذکر ہے۔ یہ عنوان ایک دفعہ نقوش رسولؐ نمبر کے سلسلے میں محمد طفیل مرحوم کے اکساتے سے میں نے اپنے لیے سوچا مگر مجھ ایسا مسافرِ وادیٔ فرائض قیام و سکون کے اتنے لمحے پا ہی نہ سکا کہ کام ہو سکتا۔ مجھے خوشی ہے کہ میرے سوچے ہوئے عنوان پر محمد کلیم ارائیں نے ایک مفید کتاب لکھ دی ہے۔ شروع میں "معمولاتِ سفر" کا باب ہے۔ مگر ہے بہت مختصر! پھر کچھ سفر تجارت کے ہیں، کچھ دینی و تبلیغی! سفرِ معراج ہے، ہجرت کا سفر ہے، صُلح حدیبیہ والا سفر ہے، عمرۃ القضا کا سفر ہے، باقی بیشتر سفر جہاد کے سفر ہیں۔ آخر میں سفرِ حجۃ الوداع ہے۔ اور پھر سفرِ آخرت۔

نبیؐ پاک کی ساری زندگی سفر ہی سفر تھی۔ کبھی "پیدا سفر" اور کبھی "پنہاں سفر"، "ظاہر کا سفر" اور "باطن کا سفر"

جناب ابوطالب کے ساتھ تجارتی سفرِ شام میں شمولیت (بہ عمر ۱۲ سال ۲ ماہ) سیرت نگاروں کے ہاں بڑا اختلافی معاملہ ہے اور دونوں طرف زور و شور کی بحثیں ہیں۔ غیر مذہب کے بحیرا راہب کا آپ کو کچھ علامات سے پہچاننا اور عیسائیوں کا یہ پروپیگنڈا کہ ایک ۱۲ سالہ بچے کو مختصر ملاقات میں اُن کے پادری کا الہٰی دینی تعلیم اور قدیم تاریخی واقعات کا شعور دے دینا کہ بعد میں جوان ہو کر وہ بچہ اسی تعلیم پر مبنی ایک دین پیش کرتا ہے —— روایت کے خلاف یہ اعتراض اُٹھائے گئے ہیں۔ نیز ایک روایت میں حضرت بلال کا نام غلطی سے اس موقع پر آتا ہے۔ اِن وجوہ سے اس واقعہ کو بعض اصحاب نے کالعدم قرار دیا ہے۔ مگر میری طرح محمد کلیم ارائیں کی رائے بھی یہی ہے کہ حضورؐ نے یہ سفر کیا اور بحیرا راہب نے مذہبی نوشتوں اور قیافہ کی مدد سے قیاس آرائی کی۔ اتنی سی

بات میں کوئی خلل نہیں ہے۔
خوشی کی بات ہے کہ محمد کلیم صاحب نے اپنے تمام مندرجات و آراء کے متعلق حوالے جمع کر دیئے ہیں۔ مگر حوالے ثانوی کتابوں کے بجائے اصل کتب حدیث و سیر کے ہونے چاہئیں۔

اجتہاد | از مولانا محمد تقی امینی، ناظم دینیات، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔ ناشر: قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی۔ خوبصورت مجلد ۳۶۸ صفحات۔ قیمت ۴۸/- روپے

مولانا محمد تقی امینی صاحب کو برصغیر کے دینی مطالعہ کنندگان میں سے کون نہ جانتا ہوگا — تعلیم و تعلم اور تصنیف و تالیف کا مشغلہ جاری ہے۔ عربی میں بھی مقالات لکھے۔ انٹرنیشنل سیمیناروں میں بھی اپنی تحقیقات پیش کیں۔

مولانا کا خاص اہم موضوع فکر اجتہاد ہے اور آج کے دور میں اس کی شدید ضرورت بھی ہے۔ میں نے ان کی جو تحریریں پہلے پڑھی ہیں اور جو کچھ اس کتاب میں ہے اس کا مجملاً تاثر یہ ہے کہ مولانا کا جھکاؤ بجا طور پر نئے حالات اور نئے مسائل کے لیے اجتہاد کا ہے۔ لیکن خوشی کی بات یہ ہے کہ چونکہ ان کا ذوقِ فکر و تحقیق نص کے کھونٹے سے بندھا ہوا ہے اس لیے اگر وہ کسی عبارت کی تعبیر میں زیادہ سے زیادہ گنجائش بھی پیدا کرتے ہیں تو اس سے وہ خطرہ نہیں پیدا ہوتا جو آج کل اجتہاد کے نام سے بعض افراد اور ادارے تجدد کا ایسا کام کر رہے ہیں کہ جس کی نوعیت ایک تخریبی فتنے سے کم نہیں ہوتی۔ اور دراصل وہ مغرب کی اختیار کردہ ایسی چیزوں کو حدودِ جواز میں لانے کے لیے کوشاں ہیں جو کفر و باطل کی تعریف میں داخل ہیں۔ بعض ہمارے کچھ دوست — بلکہ ان کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے — بے اصول اجتہاد کے خود ایجاد کردہ ورمے سے عین نصوصِ قرآن میں بھی چھید کرتے رہتے ہیں تا بہ حدیثِ رسالتؐ و اجماعِ امت چہ رسد۔ لیکن اس بگڑے ہوئے طبقے کے لیے بھی تقی امینی صاحب کی اپیل خاصی بہتر ثابت ہو سکتی ہے۔ مثلاً ان کی یہ گفتگو کتنی اچھی ہے کہ سلسلۂ اجتہاد تو جاری رہنا ہی ہے (ص ۲۳۷، ۲۳۸) کیا موجودہ وقت میں بھی مجتہد درکار ہے؟ اس کا جواب اجمالاً یہ ہے کہ "فقہ کی جدید

تدوین یا موجودہ دور کے مسائل حل کرنے کے لیے مجتہد منتسب جیسے عالی ظرف اور فراخ حوصلہ مجتہد کی ضرورت ہے کہ حالات و ضروریات کے پیشِ نظر دیگر ائمہ کے اُصول و فتاوی سے گریز نہ کرتا ہو، بلکہ دلیل و بصیرت کی روشنی میں ہر ایک سے استفادہ کر کے رہنمائی حاصل کرتا ہوئے (ص ۳۵۳)

تقی امینی صاحب کا منتقیانہ طرزِ فکر ملاحظہ ہو: انشورنس (زندگی کا بیمہ)، کمرشل انٹرسٹ" وغیرہ جیسے مسائل اس کے ذریعے حل کیے جائیں، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بہرصورت جواز کا حکم نکالا جائے بلکہ...... اس بارے میں شریعت کی جو حدود ہیں ان کی پوری رعایت کے بعد ہی جواز یا عدمِ جواز کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے" (ص ۳۶۰) "اجتہاد میں نا اہلوں کی رائے اور بلا کسی شرط و قید کے آزادانہ رائے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔" (ص ۳۶۳) - تقی صاحب اجتہاد کے لیے ایک مجلس کے قیام کے حق میں ہیں (ص ۳۶۴) - مگر ایک تو وہ اسے خاص طور پر مجلسِ اجتہاد بنانا چاہتے ہیں جس کا مفہوم پارلیمانی نوعیت کی مجلس جہاد کا تصور نہیں ہے - دوسرے وہ اسے اس طرز پر وجود میں لانے کے حق میں ہیں جیسی فقہ حنفی کی تدوین کے وقت تھی - یعنی غیر سرکاری اور تمام تر علماء اور منتہی طلبا پر مشتمل۔

یہ چند جستہ جستہ اشارے کتاب کی صحیح اور جامع تصویر پیش نہیں کر سکتے۔ اس میں حدیث "اختلاف اُمتی" پر، حقیقت و مجاز کے دونوں پہلوؤں پر، صراحت و کنایت پر، ثبوت کے درجات پر، نصوص میں امر و نہی کے استعمالات پر، استصلاح کے بنیادی اُصول پر، دیر بڑی قابلِ تعریف بحث ہے، تغیر احکام بہ تغیر زمان پر، اجتہاد کی صلاحیت اور اس کے لیے ضروری معلومات پر بڑی تفصیلی، علمی و فنی گفتگو میں ہیں - ہم خاتمۂ کلام مولانا تقی امینی کی بیان کردہ اس تعریفِ اجتہاد پر کرتے ہیں جسے انھوں نے سلف سے لیا ہے:-

م۔ "احکامِ شرعیہ کی دریافت میں، یا اُن کی تطبیق میں خالی الذہن ہو کر انتہائی جدوجہد صرف کرنا" (ص ۲۴۱)

ح۔ احکامِ شرعیہ معلوم کرنے کے لیے پوری محنت اور جدوجہد صرف کرنا کہ یہ معلومات تفصیلی دلائل سے حاصل ہوتے ہیں جن کا مرجع کتاب و سنّت، اجماع اور قیاس ہیں" (ص ۲۴۱)

تقی امینی صاحب کے اپنے الفاظ:-

"فقیہہ انتہائی جدوجہد اور پوری محنت سے اس طرح سے نئے مسائل کا حل دریافت کرے یا موجودہ مسائل میں موقع و محل پہ تطبیق کرنے کی صورت نکالے کہ ان کی بنیاد فقہی ماخذوں میں کسی پہ قائم ہو جائے اور پھر وہ مسائل ایک رشتہ میں منسلک اور ایک لڑی میں پروئے ہوئے نظر آئیں۔" (ص ۲۴۲)

اوراق | از پریمی رومانی - ناشر: دیپ پبلیکیشنز، تیپسیا آزاد بستی، نئی پورہ، سری نگر، کشمیر-

قیمت: ۴۰/- روپے

یہ چند تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے، جن کا تعلق زیادہ تر ایسے شاعروں کے فن پہ نظر ڈالنا ہے جن کے متعلق جناب مؤلف پریمی رومانی کا تصور یہ ہے کہ وہ جدید اردو شاعری کے بانی ہیں یا بعض نے کلاسیک دور اور جدیدیت کے درمیان پل کا کام دیا ہے۔

یہ کتاب صرف چند مضامین کا مجموعہ ہے، کوئی باضابطہ کتاب نہیں جس میں موضوع طے کر کے جامع کام کیا گیا ہو، جو شعراء زیرِ گفتگو آئے ہیں وہ متفرق سے لگتے ہیں۔ کہیں ترقی پسندی کا اثر ہے، کہیں جدیدیت کا، کہیں خطیبانہ شاعری اور کہیں بغاوت۔ احسان دانش اور اقبال جیسے حضرات الگ ہی قبیل سے ہیں۔ اس کتاب میں پہلا مسئلہ تو درجہ بندی اور انتخاب کا ہے جس پہ نظر جاتی ہے۔ پھر فنی قد و قامت کے لحاظ سے بڑا فرق ہے۔ اقبال اور سیماب اور جوش جیسوں کی صف میں ساجد جاودانی اور محمد علوی جیسے نوخیز دوست بھی شامل ہیں۔ جدیدیت کے اس قافلے میں زیادہ تر لوگ رومانویت پسند بلکہ جنس پرست بھی ہیں۔ کم ہی کسی کے ہاں کوئی اعلیٰ آدرش (ماسوا اقبال و احسان دانش) پوری طرح نمایاں محسوس ہو کر دل و نظر کو کھینچتا ہے۔ فن کا ایک مبتدیانہ موضوع اکثر کو آکاس بیل کی طرح لپیٹے ہوئے ہے۔ کہیں بیچ میں "انقلاب" کی آواز آجاتی ہے اور بس! سب اپنے اپنے نفسیاتی ہیجانات کے کھونٹے سے بندھے ہوتے ہیں۔

ایک مسئلہ پریمی صاحب کی مشقِ تنقید کا بھی ہے۔ ایک باصلاحیت نوجوان کا ہر حال میں ہمیں دل

بڑھانا چاہیے۔ مگر تنقید یہ نہیں کہ آپ کسی کے اشعار یا نثر پارے پیش کر کے سامنے ذرا سا اظہار رائے کر دیں، بلکہ موضوعات ہوں یا کردار یا اسالیب ان میں بھلے بُرے کی جو ملاوٹ ہے ان دونوں کو نتھار کر الگ الگ کریں اور ان کا تقابلی مطالعہ کرائیں۔ میرا خیال ہے کہ اس کے لیے ان کی آئندہ کتاب کا انتظار کرنا چاہیے۔

اس وقت تو یہی بڑی بات ہے کہ ان کا قلم کشمیر (بھارت) میں اس اُردو کی خدمت کر رہا ہے جو برصغیر میں ہندو مُسلم سماجی اور سیاسی رابطوں سے غیر مصنوعی طور پر وجود میں آئی۔ اُمید ہے کہ پریمی صاحب ان مخلصانہ باتوں سے کوئی غلط اثر نہ لیں گے۔

افکار کی خوشبو | از جناب اعجاز رحمانی - بہ اہتمام بزمِ قرطاس وقلم پاکستان۔ ملنے کا پتہ (۱) ۵۔ اے ای - ۷/۷ نیو کراچی۔ (۲) بی - ۱۶۰، بلاک ۱۰، گلشنِ اقبال، کراچی۔

اعجاز رحمانی کراچی کے حلقہ ہائے سخن میں نفوذ رکھنے والے جوان سال شاعر ہیں۔ نہ صرف اعلیٰ درجہ کے شعر کہتے ہیں بلکہ ان کو پڑھتے بھی بڑے اچھے ترنم سے ہیں۔ آواز میں زور ہے، لہٰذا اکثر اپنا رنگ جما لیتے ہیں۔ ایک خصوصیت ان کی یہ ہے کہ انہیں حضورؐ سے محبت ہے اور وہ خوبصورت نعتیں لکھتے ہیں۔ اب اسی محبتِ نبویؐ نے کام کے ایک ایسے راستے پر انہیں ڈالا ہے کہ انہوں نے ۲۵۰ احادیث مبارکہ کا منظوم ترجمہ "افکار کی خوشبو" کے نام سے پیش کیا ہے۔ ہر ورق پر اصل متن پھر نثر میں اُردو ترجمہ اور بعد ازاں منظوم ترجمہ ملتا ہے۔ اس منظوم ترجمے کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ بچے یا بڑے بہ آسانی اسے یاد کر سکتے ہیں۔

اس مجموعے کو میں نے دو حیثیتوں سے دیکھا ہے۔ ایک یہ کہ اُردو شاعری میں ترجمہ کرتے ہوئے حشو و زوائد کا نقص کہیں کہیں نمودار ہے۔ بعض جگہ ایک یا دو مصرعے حدیث کے اصل الفاظ سے زائد ہیں، دوسرے بعض ایسے مقامات جہاں حدیث میں زور دیا گیا ہے، اُردو میں وہ زور منتقل نہیں ہو سکتا۔ (مثلاً مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا ..... الخ والی حدیث، حالانکہ حدیث کے معاملے میں دو احتیاطیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ لفظوں میں کمی بیشی نہ ہو اور دوسرے

یہ کہ جس بات پر جس طرح متن میں زور دیا گیا ہو، منظوم ترجمے میں بھی وہی زور باقی رہے۔

دوسرا مسئلہ شاعری کی لطافت کا ہے کہ اس کا کیا بنتا ہے۔ ہر کلام "موزوں" شاعری نہیں ہے اس میں تخیل کی آمیزش سے ایک خاص لطافت پیدا کی جاتی ہے۔ ترجمۂ حدیث میں اس کا موقع نہیں۔ لہٰذا فی نفسہٖ حدیث کی عبارت تو ہزار درجہ زیادہ لطیف ہوتی ہے لیکن شاعر کی کاوش اس سے ورے ہی ورے رہ جاتی ہے۔

اس سلسلے میں کچھ نوٹ میں نے لکھے۔ مگر پھر خیال آیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فدائی اپنے جذبۂ دل کے تقاضے سے حضورؐ کے کلام کو اردو شعر کا جامہ پہنا رہا ہے تو اب ایسے کام میں فنی جھمیلوں کو لے کر بیٹھ جانا اچھا نہیں لگتا۔

خدا کرے کہ اعجاز رحمانی کی نیتِ نیک کے ساتھ اس کا کام بارگاہ الٰہی میں قبول ہو اور جو کمزوریاں رہ گئی ہوں، خدا انہیں معاف کرے۔

آیاتِ اَدب | از جعفر بلوچ۔ ناشر: مکتبہ عالیہ اردو بازار، لاہور۔ قیمت: ۶۰/- روپے

جعفر بلوچ کی ذہانت کے پودے پر ایک سے زیادہ فنی پھول کھل چکے۔ اس کا اپنا کلام بھی آیا اور دوسروں کے کلام کو بھی اس نے پیش کیا۔ مجھے امید ہوتی ہے کہ کارکنانِ [illegible] اس نوجوان سے علم و فن کے دائرے میں کوئی بڑا کام لینا چاہتے ہیں۔

یوں تو یہ آیاتِ اَدب بھی ایک بڑا کام ہے۔ اس کتاب میں شعرائے لیہ و مظفر گڑھ کا تذکرہ ہے اس کی بنیاد علاقائیت کے جذبے پر نہیں۔ بلکہ جعفر بلوچ نے محسوس کیا کہ بہت سی علمی و ادبی شخصیتیں اپنے کمالات کے باوجود محض اس لیے نگاہوں سے اوجھل رہ جاتی ہیں کہ وہ دور افتادہ دیہاتی علاقوں میں پیدا ہونے کی وجہ سے ذرائعِ ابلاغ کی محفلوں میں جگہ نہیں پا سکتیں۔ جعفر صاحب کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ بڑے بڑے شہروں میں رہ کر علم و ادب کی خدمت کرنے والے بعض لوگ بھی محض اس لیے گمنامی کی زندگی گزارتے ہیں کہ ذرائع ابلاغ کے چوہدریوں کی انا کو وہ مناسب غذائے خوشامد مہیا نہیں کر سکتے۔

تونخیز جعفر صاحب نے بڑا اچھا کام کیا کہ ایک علاقہ جسے ہم ادبی لحاظ سے بنجر سمجھتے تھے۔ اس میں انہوں نے فن کی نہریں بہتی دکھا دیں۔ حضرت زکریا ملتانی کو کون نہیں جانتا، راجہ محمد عبداللہ نیاز اور کشفی ملتانی سے اکثر ادبی مطالعہ رکھنے والے واقف ہوں گے، نواب زادہ نصراللہ خاں ناصر کا تو وہی معاملہ ہوا کہ "شعر کہتے کہتے میں ملّت کا لیڈر ہو گیا"۔ اسی طرح نسیم لیہ، خیال امروہوی، غافل کرنالوی، شہباز نقوی اور عدیم صراطی سے ہم تعارف رکھتے ہیں۔ بھول نہ جائیے کہ جعفر بلوچ بھی اسی محفل میں ہیں۔

ہر شاعر وادیب کے حالات لکھے گئے ہیں اور کلام کا نمونہ پیش کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ کتاب ادبی تاریخ اور تنقید کے لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

بس ایک کسر رہ گئی۔ جعفر بلوچ صاحب نے یہ راز نہیں کھولا کہ لیّہ، مظفر گڑھ اور ڈیرہ غازی خاں کے دور افتادہ علاقوں میں شعر وفن کا اس زور شور سے اُبھار کیوں ہوا ہے؟

کیفِ حضوری | مجموعہ نعت از محترمہ نجم النساء منور علی بخاری نجم۔ ناشر: ادارۂ پیامِ اسلام، مرکزِ اشاعتِ اسلام نمبر ا سرور روڈ ملتان۔

"دیارِ حبیبؐ کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ آنکھوں نے جو کچھ دیکھا، دل کو جو کچھ ملا، زبان بیان کرنے سے قاصر ہے۔ یہ کیفِ حضوری کیسے ظاہر کروں۔ دل کے نہاں خانے میں احساس کا یہ نازک سا جذبہ شعاعِ نور بن کر میرے پورے وجود میں سما گیا۔"

سادات کے ایک علمی گھرانے کی چشم و چراغ کے متذکرہ الفاظ پڑھیے اور انہی سے اندازہ کر لیجیے کہ ان کی کتاب میں کیا ہو گا؟ احساس کی شدّت اور بیان کی کوتاہی جب جمع ہوتی ہیں تو ایک عجب اسرار شاعری نمود پاتی ہے۔ ایسی ہی نعتیہ شاعری کا یہ مجموعہ ہے۔ دو ایک شعر ملاحظہ ہوں۔

اسی کا اہتمام ہے، اسی کا التزام ہے   یہی تو نغمہ حسیں لبوں پہ صبح و شام ہے
درود ہی درود ہے، سلام ہی سلام ہے

ادب سے ہر قدم اُٹھے، نظر میں احترام ہو حرم کی یہ زمین ہے، ادب کا یہ مقام ہے

درود ہی درود ہے، سلام ہی سلام ہے

اچھے کاغذ پر دو رنگا طباعت اور خوبصورت سادہ و رنگین دبیز آرٹ کور کے ساتھ ۸۰ صفحات کا یہ نور افروز مجموعہ ۲۰/- روپے میں نذر خریداراں ہے۔

اوصافِ حمیدہ از پروفیسر عبدالغنی فاروق۔ ناشر: ادارۂ معارفِ اسلامی، منصورہ، لاہور۔ اچھی کتابت و طباعت، دو رنگا رنگین سرورق۔ صفحات: ۳۰۴ قیمت: ۴۵/- روپے۔

یہ کتاب جناب حمیدہ بیگم کی تحریکی داستانِ حیات پر مشتمل ہے جنہوں نے خواتین کے حلقوں میں بالکل ابتدا سے کام کرنے کی نئی نئی راہیں نکالیں اور بڑے خلوص سے کتاب و سنت کے احکام کے مطابق دعوتِ دین کو پھیلایا اور بے شمار خواتین کے علاوہ نوخیز طالبات کو ایمان و شعور سے مالا مال کیا۔ اس کتاب میں ان کے حالاتِ زندگی کے علاوہ ان کے کام کرنے کے طریقوں اور ان کے حسنِ اخلاق اور دلنوازیٔ گفتار کا بڑی تفصیل سے تذکرہ ملتا ہے۔ دلچسپی کی بات یہ بھی ہے کہ ایک پیکر کے مختلف پہلوؤں کو کئی رشتہ داروں اور خواتین نے دیکھا اور ان کی تحریروں اور رپورٹوں سے بہت سے مردوں نے بھی ان کے کمالات کو جانا اور پھر ان مختلف لوگوں نے اپنے اپنے طریقہ تاثرات بیان کیے ہیں۔

یہ ایک اہم ضرورت تھی جو پوری ہوئی۔ اس نقشِ اول سے اگر زیادہ بہتر چیز فاروق صاحب یا خواتین و طالبات تیار کر کے لا سکیں تو مزید نیکی ہوگی۔

ذکریٰ ڈائجسٹ مدیر جناب محمد یوسف اصلاحی۔ دفتر: ماہنامہ ذکریٰ ڈائجسٹ، رام پور ۲۴۴۹۰۱۔ قیمت فی شمارہ ۶/- روپے (بھارت)، بیرونی ممالک سے زر تعاون سالانہ بحری ڈاک سے ۱۵ ڈالر، ہوائی ڈاک سے ۲۵ ڈالر۔

بھارت میں اردو کے جو رسائل دینی افکار کے چراغ روشن رکھے ہوئے ہیں ان میں سے ایک

ذکر لی بھی ہے جو کئی سال سے اپنا فرض ادا کر رہا ہے۔ مضامین کی فہرست دیکھیں تو حدیث کے متعلق معلومات دی گئی ہیں، روس کے مسلمانوں میں بیداری کی لہر کا جائزہ لیا گیا ہے، ہندوؤں مسلمانوں دونوں کے لیے دین و دانش کی باتیں ہیں۔ سوال جواب کی بڑی اہمیت ہے، سیرت سرورِ عالم کی جھلکیاں بھی ہیں، نعتیں اور غزلیں اور کئی دیگر مضامین۔ اِس ادارے نے کئی کتب بھی شائع کی ہیں۔

علوم القرآن | مدیر ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی۔ ادارتی مجلس مشاورت (۱۰ حضرات)

ادارۂ علوم القرآن۔ پوسٹ بکس نمبر ۹۹، سر سید نگر، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲۔ انڈیا۔

فی پرچہ ۱۵/- روپے (بھارت) سالانہ بھارت سے ۳۰/- روپے۔ پاکستان سے ۷۵/- روپے

یہ ششماہی رسالہ علمی و تحقیقی مقالات پر مشتمل ہے۔ اس مرتبہ مولانا فراہی کی تفسیر سورہ لہب، کی حقیقت، قرآن مجید میں معرب الفاظ کی تحقیق، علامہ ابن تیمیہ کا تفسیری ورثہ، علوم قرآن، اویں صدی کے ہندوستان میں، قرآن مجید کے ہندی تراجم، درۃ التنزیل و غرۃ التاویل کے مصنف کی تحقیق، نقوش، قرآنی مضامین کا اشاریہ، اور آخر میں چند تبصرے۔ یہ کوشش اگر حسب توقع ترقی کرتی گئی تو اس کے بڑے اثرات ہوں گے اور اس کی وجہ سے کتنے ہی افراد بہت کچھ بن کر میدان میں نکلیں گے۔ ہمارے مسلم معاشرے میں عدمِ استقلال، استعجال کی روش اور پھر جلد جلد بکھر جانے کی عادت ایسی چند خرابیاں ہیں کہ خدا کرے ان سے ادارۂ علوم القرآن اور دیگر اچھی تنظیمیں اور ادارے بچ نکلیں۔ ہم اس کوشش کی دلی قدر کرتے ہیں اور خدا سے اس کی ترقی کے لیے دعا کرتے ہیں۔

اِسلامی نظام اور ہنگامی حالات | از جناب رانا صابر نظامی۔ ناشر: صدیقی پبلی کیشنز، ۲۹، او، ریواز گارڈن، لاہور۔ قیمت: ۳۰/- روپے

رانا صابر نظامی سے ایسی ہی کتاب کی توقع تھی کہ اسلامی مسائل و مباحث کے متعلق پہلے ایک دریا سا بہتا نظر آتا ہے، پھر وہ کئی نہروں میں بٹ جاتا ہے اور پھر آگے کئی کھالے اور نالیاں بن جاتی ہیں۔ جانے کتنے ذہنوں کی زمینیں سیراب ہو جاتی ہوں گی۔ اسلامی احکام کی بستیوں میں انہوں

نے بڑی شخصیتوں کا حصہ شامل کر دیا ہے - اُوپر خلفائے راشدین ہیں، نیچے امام ابوحنیفہؒ، شاہ ولی اللہؒ علامہ اقبالؒ، سید مودودیؒ اور مولانا عبدالستار سندھی کے حوالے - کہیں شورائی نظام کی بحث، کہیں کتابیہ سے نکاح کا مسئلہ، کہیں چراگاہوں کے احکام، کہیں جرابوں پر مسح، کہیں قطبین کے نزدیک نماز روزہ کے اوقات پر گفتگو - ایک چھوٹی سی کتاب میں زندگی بھر کے مسئلے سمیٹ دکھانا رانا صابر نظامی کا کمال ہے - کئی لوگ اس سے فائدہ اُٹھائیں گے -

---

اسلام میں "وقف" کا مقام | ترتیب و پیشکش : ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، ہمدرد سنٹر، ناظم آباد کراچی -

"ہمدرد" کے تحت بہت سے وقف ادارے کام کرتے ہیں - اور مزید بڑے بڑے ادارے قائم کیے جا رہے ہیں - اس سلسلے میں ہمدرد والوں کو کچھ ایسی مشکلات کا سامنا ہوا کہ اگر اربابِ اختیار احکام شریعت سے آگاہ ہوتے تو وہ سب کچھ نہ ہوتا -

حکیم محمد سعید صاحب نے اس پر ایک انٹرنیشنل سیمینار کراچی میں طلب کیا (۱۷ تا ۲۰ مارچ ۱۹۸۸ء) متعدد علمائے دین، فضلائے قوانین اور دانشورانِ عہدِ حاضر نے اپنے مقالات میں وقف کی حیثیت کو اسلامی اُصول و قواعد کی روشنی میں متعین کرنے کی نہایت مؤثر و کامیاب کوشش کی - اور کچھ ہو یا نہ ہو، مسئلہ وقف پر بہت اچھا کام ہو گیا ہے -

اس کی رپورٹ بزبانِ انگریزی ہمیں موصول ہوئی ہے - اہل ذوق اسے ہمدرد سنٹر سے حاصل کر سکتے ہیں -

---

(بقیہ صفحہ ۲)
سے بڑی کی عمر دس سال ہے، بیٹا کوئی نہیں۔
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ زینی صاحب کو رحمت و مغفرت سے نوازنے کے بعد ان کی بیوہ اور کم عمر یتیم بچیوں کی اس بدکردار اور مفاد پرست زمانے میں پرورش و تربیت کے خاص اسباب پیدا فرمائے۔ خصوصاً زینی صاحب کے رشتہ داروں، دوستوں اور رفقائے مقصد کی ذمہ داریاں زیادہ بھاری ہیں۔ آخر سب اسی راہ کے مسافر ہیں۔

(بقیہ رسائل و مسائل صفحہ ۳۳)
محنت و مشقت کا نتیجہ تھا، اس کی پہلی قسط جب "نگار" میں نیاز صاحب نے نام سے شائع ہوئی تو میں نے اس پر سخت احتجاج کیا، تب باقی دو قسطیں میرے نام سے چھپیں۔

(مکاتیب سید ابوالاعلیٰ مودودی حصہ دوم
ص ۳۱۴، ۳۱۵ — خط نمبر ۲۲۱)

اس سلسلے میں ہماری اور کوئی تحقیق نہیں ہے۔ آپ تحقیق مزید کر سکتے ہوں تو کریں۔
اس خط کے مرتب کرنے میں محمد سلطان عاصم نعمانی کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے دلچسپی لی۔

(م، ن)